★ از مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ

★ ترجمہ۔ جناب محی الدین

سوویت روس اور مسلمان

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام کے زیر طبع (J.G.TIWARI) تیواری کی نئی انگریزی تصنیف "MUSLIMS UNDER THE CSARS AND THE SOVIETS" (زاروں اور کمیونسٹ روس کے تحت مسلمان) کا مقدمہ حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے تحریر فرمایا ہے جو پیش خدمت ہے۔

متعدد قومیتوں پر مشتمل اشتراکی سوویت جمہوریہ متحدہ (یو، ایس، ایس، آر) کی تشکیل سلاوی نسل کے گرد اس طرح کی گئی ہے کہ یہ بظاہر وفاق نظر آتی ہے۔ لیکن حقیقتاً کلی اختیارات مرکز کو حاصل ہیں اور روسی قوم کے ہاتھوں میں فوج اور پولیس کی باگ ڈور ہے۔ سالہا سال سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ایک "نئے سوویت انسان" کے مفروضہ کو حقیقت کا جامہ پہنایا جا رہا ہے جس کے پیچیدہ کار میں دو باتوں یعنی سوویت شہریوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے اور اپنے قومی تشخص کو ایک دوسرے میں ضم کرنے کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے۔ لیکن اس طریقہ کار کا اصل مقصد اقلیت کی ثقافت کو ختم کر کے روسی ثقافت کو فروغ دینا ہے۔

بنیادی طور پر اس کا مدعا یہ ہے کہ وسط ایشیا کے اقلیتوں کے اسلامی اور قومی شعور کو ابھرنے سے روکا جائے کیونکہ لینن سے لے کر چیرنینکو تک سبھی روسی قوم کی بالادستی کے لئے ایک خطرہ تصور کرتے رہے ہیں اور اسے دبانے کے لئے انہوں نے منصوبے کے سبھی حربے استعمال کئے ہیں۔ نسل کشی، ایشیائی افراد کو ترک وطن کر کے دوسرے علاقوں میں بسانے اور سلاوی نسل کے لوگوں کو وسط ایشیا میں آباد کرنے سے لے کر وسط ایشیا کی قبائلی بنیاد پر سیاسی تقسیم، روسی رسم الخط کے نفاذ، مختلف نسلی قومیتوں کی تاریخ کو مسخ کر کے روسی اقتدار کو ان کے لئے منفعت بخش ثابت کرنے، مذہبی رسوم پر پابندی عائد کرنے اور قومی یونیورسٹیوں، اکیڈمیوں اور تفریحی ذرائع تک سبھی حربوں سے کام لیا گیا ہے۔ اخوت اسلامی کے جذبے کو ختم کرنے کے لئے ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان

قزاق اور خرگیز جیسی مصنوعی قومیتوں کی تشکیل کی گئی ہے۔ اوقاف کو ضبط کر دیا گیا ہے۔

۱۹۱۷ء میں موجودہ تقریباً آٹھ ہزار مکاتیب و مدارس کو نیست و نابود کر دیا گیا اور ہزاروں کی تعداد میں مساجد کو شہید کیا جا چکا ہے۔ اور مسلم دانشوروں کی پوری نسل کا صفایا کیا جا چکا ہے۔

روس کی مسلم جمہوریتوں میں تقریباً سبھی اہم عہدوں مثلاً پارٹی کے نائب ناظم۔ پارٹی کے محکمہ انصرام اور تنظیمی امور کے صدر روسی ہوتے ہیں۔ اور جہاں کہیں حکومت کے کسی اعلیٰ عہدہ پر کسی مقامی باشندہ کا تقرر کیا جاتا ہے۔ تو اس کا نائب ہمیشہ روسی رکھا جاتا ہے تاکہ وہ نیابت کے فرائض کے ساتھ ساتھ اپنے افسر اعلیٰ پر بھی نظر رکھ سکے۔ یہ سب کچھ مختلف نسلی۔ مذہبی اور قومی گروہوں کو متمدن رکھنے کے نام پر کیا جا رہا ہے۔ حالاں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ اقلیتوں کو روسی زبان و ثقافت قبول کرنے پر مجبور کیا جا سکے۔

لیکن یہ تمام کوششیں کس حد تک کامیاب ہو سکی ہیں؟ یہ سوال اس صدی کی آخری دہائیوں روسی مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب اور ان کے معاشی و سیاسی حالات کے پیش نظر بہت اہمیت حاصل کر چکا ہے روسی اور غیر روسی دانشور اس پر بحث کر رہے ہیں کیونکہ وہ اس خطرہ کو محسوس کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد روسیوں کو اقلیت میں تبدیل کر کے ان کے محکوم ایشیائی باشندوں کے زیر دست کر سکتی ہے۔

مذکورہ بالا سوال پر بحث کرنے والوں میں سب سے نمایاں الگزانڈر بنگس ALEXANDER- BENNIGSEN) کا سہ رخی وفاداری کا نظریہ ہے۔ جس کے مطابق سویت مسلمان اپنے قبیلوں۔ قوموں۔ اور بین الاقوامی اسلامی وفاداری کا شعور رکھتے ہیں جس میں آخر الذکر کو اولیت حاصل ہے۔ بنگس کے نظریہ میں روسی حکومت کے تئیں مسلمانوں کی وفاداری کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایک فرانسیسی دانشور ہیلن کیرڈ انکاونہ (HELEN CARRERD ENCAYSSE) کا خیال ہے کہ ایشیائی باشندوں میں مختلف قسم کی وفاداریوں کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اس کے خیال میں سویت مسلمان، ماسکو کے "نئے سویت انسان" کے مفروضہ سے ناآشنا ہیں اور صرف اسلام کی وفاداری کے جذبہ سے سرشار ہیں۔

مائیکل زنڈ (MICHAEL ZEND) کا نظریہ اس کے برعکس ہے۔ روس سے ترک وطن کرنے والے اس دانشور کا خیال ہے کہ روسی مسلمان "انقلاب سے قبل کی ابتدائی روسی تہذیب" کو بتدریج قبول کرتے جا رہے ہیں اور اس طرح وہ روسی تہذیب میں ضم ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر رہے ہیں۔ اس کے نظریہ کے مطابق مسلمانوں کے طبقہ خواص کو روسی تہذیب سے قریب تر لانے کی حکمت عملی کامیاب ہوتی جا رہی ہے۔

ایک اور دانشور مائیکل ریکن (MICHAEL RYWKIN) کا خیال ہے کہ وسط ایشیا کے باشندوں میں روسی زبان کے فروغ اور اس میں ان کی مہارت حاصل کر لینے سے ان کے قومی تشخص کے شعور میں کمزوری پیدا ہونے

کے بجائے اس جذبہ کو ابھرنے اور طاقت ور ہونے میں مدد ملی ہے۔ ان لوگوں میں نیا قومی شعور جو مذہب اور قومیت کے جذبات سے مرکب ہے ابھر رہا ہے۔ اور انہیں اس پر آمادہ کر رہا ہے کہ وہ روس میں اپنا جائز مقام حاصل کریں۔ اس کے علاوہ روسی حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے کتب و رسائل میں پیش کردہ یہ نظریہ بھی ہے اور جیسے عظیم روسی انسائیکلو پیڈیا میں اس طرح پیش کیا گیا ہے۔ کہ روس میں مذہب کی بنیادیں منہدم ہو چکی ہیں۔ اور دوسرے مذاہب کی طرح اسلام بھی اب صرف ماضی کی باقیات کی شکل میں باقی رہ گیا ہے لیکن اس کے برعکس اٹلی کے ایک رسالہ لااسٹامپا (LAS TAMPA) کی ایک حالیہ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ سوویت روس ۱۹۸۳ء میں ۷۹ اسلام مخالف کتابیں شائع کی ہیں۔ جب کہ ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۲ء میں ان کی تعداد علی الترتیب صرف ۲۱ اور ۳۰ تھی۔ اس رپورٹ سے اصل حالات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بہر حال اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ روسی قومیت کے فروغ کی کوششیں مسلمانوں کے جذبۂ اسلام اور اخوت اسلامی کے شعور کو ختم کرنے میں مانع رہا ہے۔ اب تک قومی یک جہتی کی جو کوششیں روسی حکومت کی جانب سے کی گئی ہیں وہ پارٹی اور حکومت کے عہدہ داروں سے آگے نہیں بڑھ سکیں۔ اس کے برعکس پارٹی اور حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے امتیازی سلوک اور انہیں یکساں مواقع کی عدم فراہمی نے انہیں یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ زار کے زمانہ میں روس کے پرچم پر دو سروں والے عقاب نے اس زمانے میں ہنسیا اور ہتھوڑے کی شکل اختیار کر لی ہے۔ روزانہ کی زندگی میں پیش آنے والے چھوٹے چھوٹے معاملات میں ان کے ساتھ تفریق۔ ان کے قوم و مذہب کی تذلیل ان کی تاریخ و ثقافت کی بے قدری۔ ان کے اسلامی اور قومی جذبہ کو ابھارنے میں مہمیز کا کام دیتی ہے۔ ان کے مذہب اور قومیت نے ایک ایسے مشترکہ شعور یا جذبہ کی شکل اختیار کر لی ہے جس کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ وہ روسیوں سے مختلف ہیں

بالفاظ دیگر ان کے قومی اور اسلامی جذبہ نے یک جان ہو کر روس مخالف جذبہ کی شکل اختیار کر لی ہے وسط ایشیا کے باشندوں میں ایسے لوگ بھی جو مذہب کے کسی رکن کی پابندی نہیں کرتے۔ کم از کم تین باتوں میں اسلامی شعار پر نظر آتے ہیں۔ نکاح۔ ختنہ اور میت کے کفن دفن میں وہ اسلامی احکام کی پابندی کر کے اپنے اسلامی شعور کو تازہ رکھتے ہیں۔

روس میں اسلامی شریعت پر گوناگوں پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ تاکہ وہ حکومت کے احکام میں دخل اندازی نہ کر سکے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ سرکاری اسلام کے مقابلہ میں ایک متوازی اسلام ابھر کر سامنے آ رہا ہے۔ جس نے پرائیویٹ مسجدوں کا ایک جال پھیلا دیا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم کے لئے پرائیویٹ مدارس وجود میں آ گئے ہیں۔ اور بڑی تعداد میں صوفی حلقے قائم ہو گئے ہیں۔ جو روز بروز زیادہ فعال ہوتے جا رہے ہیں۔

اس کے آثار بھی موجود ہیں کہ حکومت کا عملہ ان غیر قانونی اسلامی سرگرمیوں یا روسی قانون کی رو سے "مذہب کی بنیاد پر کئے جانے والے جرائم" سے چشم پوشی کرتا ہے۔ اندازہ ہے کہ اس وقت وسط ایشیا اور قزاقستان میں ایک ہزار مسجدیں آباد ہیں۔ جب کہ قانونی طور پر صرف دو سو مسجدوں کے قیام کی اجازت دی گئی ہے اسی طرح زکوٰۃ کو قانوناً ختم کر دیا ہے۔ لیکن صدقات اور صدقۃ الفطر جمع کیا جاتا ہے۔ اور بعض دیہی علاقوں میں کسان قانونی طور پر عشر جمع کر کے مسلم اداروں کا خرچ برداشت کرتے ہیں۔ روسی ذرائع اسے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ چیچون اور داغستان کے علاقہ میں ایک صوفی طریقہ کے پانچ لاکھ سے زائد متبعین موجود ہیں "جو کسان یا غریب دستکار نہیں بلکہ ان کی ایک بڑی تعداد صنعتی کارکنوں پر مشتمل ہے۔ اور پچھلے چند برسوں میں مسلمانوں کے تعلیم یافتہ میں بھی اس کی مقبولیت بڑھتی جا رہی ہے۔"

روس میں مختلف نسلوں کی موجودہ سماجی اور معاشی حالت جدیدیت کی پیدا کردہ مبہم اور الجھے ہوئے اثرات کی نشاندہی کرتی ہے۔ جدیدیت کے ذریعہ سماج کے ایک بڑے حصہ میں حرکت اور ایک جہتی پیدا ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اگر مختلف طبقات کی معاشی نابرابری دور نہ ہوتی تو شعور بھی ابھرتا ہے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی سے حاصل شدہ فوائد سب کو یکساں طور پر نہیں مل رہے۔ سویت روس کی ترقیاتی کوششوں کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا ہے اس کے مسلم شہریوں کی معاشی نابرابری میں اضافہ ہوا ہے۔ جس نے روس اور اشتراکیت دشمنی کے جذبہ کو فروغ دیا ہے۔ اور حالیہ چند برسوں میں انہوں نے اس نابرابری کو دور کرنے کے لئے کھل کر کوششیں کرنا شروع کر دی ہیں وہ اپنی جمہوریتوں و نیز مرکز میں اپنے جائز مقام کو حاصل کرنے کی جدوجہد کا آغاز کر چکے ہیں

آذربائیجانی کامریڈ گیدار علیو (GAYDAR ALIEV) نے روس کے وزیر داخلہ کی حیثیت سے روسی مملکت کی طاقتور پولیس اور کے۔ بی۔ جی (خفیہ پولیس) پر اقتدار حاصل کر کے روسیوں کے لئے ایک تشویشناک مثال قائم کر دی ہے۔ کریمیا کے تاتاری باشندے اگرچہ اپنے اس مطالبہ کو نہیں منوا سکے کہ انہیں ان کے وطن میں دوبارہ آباد کیا جائے۔

لیکن پیٹر پچٹنی (PETER POTICHNYJ) کے بقول انہوں نے اپنی "ہمت، عزم اور تنظیم" کا مظاہرہ کر کے بہت سی اہم تعلیمی اور ثقافتی مراعات حاصل کر لی ہیں۔ اسی قسم کی بیداری وسط ایشیا کی دوسری قومیتوں میں بھی پیدا ہو رہی ہے۔ اور وہ اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ حکومت کے استبداد کا مقابلہ کرنے کے لئے سویت سماج کی پیدا کردہ سیاسی تنظیم سے ہی بہتر طور پر کام لیا جا سکتا ہے چنانچہ وہ اپنی قومی اور اسلامی شخصیت کو برقرار رکھنے کے لئے ان تنظیموں سے کام لے رہے ہیں۔

اس میں شبہ نہیں ہے کہ سویت روس کے مسلمان معاشی ترقیات سے بہرہ ور ہوئے ہیں لیکن انہوں نے

روسی قومیت میں جذب ہونے کے خلاف ایک ذہنی رکاوٹ (MENTAL RESERVATION) باقی رکھی ہے جس حد تک انہوں نے روسی ثقافت مثلاً اشتراکیت کے سیاسی پہلو، مغربی لباس اور روسی زبان کو قبول کیا ہے اس سے وہ روسی ثقافت میں ضم ہونے کی منزل تک نہیں پہنچے۔ انہوں نے نہ تو روسیوں سے مناکحت خصوصاً مسلمان عورتوں کی روسیوں سے شادی کو قبول کیا ہے نہ اپنی قومی زبان کا استعمال چھوڑا ہے اور نہ وہ روس کے ایسے علاقوں میں جہاں صنعتی مزدوروں کی کمی ہے، بخوشی جانا پسند کرتے ہیں۔ ابھی تک ان میں قومی اور مذہبی تشخص کا شعور موجود ہے جس کی وجہ سے یہ تقریباً ناممکن ہے۔ کہ کوئی شخص خواہ وہ مذہب پر عمل پیرا ہو یا نہ ہو اپنے آپ کو ازبک یا ترک سمجھے اور مسلمان نہ تصور کرے۔ اسی طرح " روسی بڑے بھائی "، کی فوقیت تسلیم کرنے کے باوجود ان میں اور روسیوں کے درمیان حائل خلیج کو نہ صرف دونوں فریق محسوس کرتے ہیں بلکہ اس سے پیدا ہونے والی بدگمانی اور ایک دوسرے پر بے اعتباری کے بھی قائل نظر آتے ہیں جو مکمل یک جہتی کے فقدان کا لازمی نتیجہ ہے۔ دونوں فریق مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب اور اس کے نتائج سے بھی واقف ہیں جس کے متعلق بالشویک تحریک کے ایک بڑے حامی میر سعید سلطان غالب نے بہت پہلے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ دوسری اقوام پر روسیوں کا تسلط ایک ایسی مطلق العنان حکومت میں تبدیل ہو جائے گا جس میں یہ محکوم عوام روسیوں کے حاکم بن جائیں گے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ روس اپنے بہترین ذرائع ابلاغ کے ذریعہ دنیا میں اپنی وسیع النظری اور جمہوریت پسندی کا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود اب تک استبدادی نظم ونسق، نفسیاتی جیل اور جبری محنت کی چھاؤنیوں سے چھٹکارا نہیں حاصل کر سکا۔ وہ آج بھی ہر تنقید کا مخالف اور لوگوں کو ان کے جمہوری حقوق دینے سے انکار کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ خوف و ہراس کی فضا ہی اس کے تحفظ کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔ آج بھی اسے عوام کی آزادی، یکساں حقوق اور سب کی مرضی سے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کے مقابلے میں سخت گیری اور استبداد کی پالیسی زیادہ مفید نظر آتی ہے۔ لیکن یہ اس کی سب سے بڑی کمزوری کی غماز بھی ہے کیونکہ کوئی سماجی نظام یا نظریۂ حیات جبر کے سہارے ہمیشہ قائم نہیں رکھا جا سکتا۔

افغانستان میں روس کی حماقت آمیز حالیہ مہم جوئی نے اس کے غیر مفتوح ہونے کا بھرم بھی ختم کر دیا ہے وہ پچھلے چار برسوں سے دلدل میں پھنسا ہوا ہے۔ اور ایک انتہائی غیر منظم، غیر مسلح اور غیر متحد دشمن کو زیر کرنے میں بے بس نظر آرہا ہے۔ اس کے فوجی اب بھی نقصان اٹھا رہے ہیں۔ بڑے شہروں اور شاہراہوں کو چھوڑ کر ایک گز زمین پر اس کا قبضہ مستحکم نہیں ہو سکا۔

قرائن یہ کہتے ہیں کہ یہ حالت ابھی کئی برسوں تک جوں کی توں ہی رہے گی۔ گفت و شنید کے ذریعہ اس مسئلہ کا

حل ڈھونڈنے سے روس کا اعراض یہ ثابت کرتا ہے کہ اگر اسے افغانستان میں مکمل فتح حاصل نہ ہوسکی تو اسے اپنی سرحدوں کے اسلامیت کے بڑھتے ہوئے جذبہ کا مقابلہ کرنا پڑے گا۔ یہ بھی روس کی قومیت سے متعلق حکمت عملی کی ناکامی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ جو روز بروز شدید تر ہوتی جارہی ہے۔

سوویت روس کا وہ نصب العین جو ساری دنیا کا احاطہ کرنے کا دعویدار تھا اب خود اس کے شہریوں میں اپنی جاذبیت کھوتا جارہا ہے۔ تیسری دنیا یعنی غیر جانب دار طاقتوں کی قیادت کا روسی خواب اب بکھر چکا ہے اور اب تک اس کی کوششوں کا صرف یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ وہ زبردستی دوسرے ملکوں میں بغاوت پیدا کرتا ہے۔ اور اکثر آزادی پسند عوام کو کچلنے کے لئے ہتھیار مہیا کرتا رہتا ہے۔ لیکن اب اس قسم کی کوششوں میں روز افزوں ناکامی نے بین الاقوامی معاملات میں اس دورنگی پالیسی کو واضح کردیا ہے۔

یہ امر باعث مسرت ہے کہ اب بہت سے مصنف اور دانشور روس کے اشتراکی انقلابی کامیابیوں اور ناکامیوں کا جائزہ لینے لگے ہیں۔ پروفیسر تیواری نے اپنی اس تصنیف میں سوویت روس کی حکومت اور مسلمان شہریوں کے مابین تعلقات کا ایک دلچسپ جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ اشتراکی تجربہ کا پچھلے پچاس سال سے عمیق مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ پہلے ایک کٹر اشتراکی کی حیثیت سے۔ اور پھر ہندوستان میں بالشویک مخالف انجمن کے ناظم کی حیثیت سے ان کا جائزہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب وسط ایشیا کے یہ علاقے زار اور ان کے بعد سوویت روس کے قبضہ میں نہیں آئے تھے۔ انہوں نے زاروں کے زمانے میں اور پھر سوویت روس کی حکومت کے تحت مسلمانوں کی قومی زندگی کی عکاسی میں حتی الامکان روس کے سرکاری ذرائع اور علمی مضامین پر ہی انحصار کیا ہے اور صرف چند مقامات پر روسی مہاجرین کی تحریروں کا حوالہ دیا ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ روسی شہنشاہوں نے کس طرح مسلمانوں کے ان علاقوں کو فتح کیا اور ان کی حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کے سیاسی، ثقافتی اور اقتصادی حالات کیا تھے۔

مسلمانوں نے اشتراکی انقلاب کے بعد کس طرح روسی حکومت کا جوا اتار پھینکنے کی کوشش کی۔ اور کس طرح اشتراکی ان پر قابض رہنے میں کامیاب ہوئے۔ وسط ایشیا پر سوویت روس کا دوبارہ قابض ہونے کی اس داستان کے ذریعہ پروفیسر تیواری نے یہ بتایا ہے کہ جدیدیت کے حامی مسلمان اپنے غلط اندازوں کے باعث کس طرح ترقی اور اصلاح کے نام پر دھوکا کھا کر روسی جارحیت کا آلۂ کار بن گئے۔ انہوں نے روس کی سیاسی سماجی اور اقتصادی تنظیموں اور کمیونسٹ پارٹی کے نظم ونسق کا بھرپور جائزہ پیش کیا ہے جس سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ روس نے وسط ایشیا کی ان قومیتوں کو دبائے رکھنے اور روسی ثقافت کو ان پر ٹھونسنے کے لئے کیا حربے استعمال کئے حکومت اور کمیونسٹ پارٹی کی تنظیم کے جائزہ سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ سوویت روس کے مسلمانوں کو جان

(بقیہ صـ ۴۹)